شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ
اوران کے درس حدیث کی خصوصیات

از: مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی

شیخ کا علمی فیضان:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی شخصیت ایک بافیض شخصیت تھی، علوم نبوت کا ایک دریا ہے جو آپ کے چشمہ صافی سے رواں ہوا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین، وانما انا قاسم، واللہ یعطی، ولن تزال ھذہ الأمۃ قائمۃ علی امر اللہ، لا یضرھم من خالفھم حتی یاتی امر اللہ۔ (رواہ البخاری)

علم شریعت اور نور ہدایت حقیقت میں اس کا دینے والا اللہ ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذریعہ اور واسطہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے تقسیم ہو کر ملتا رہے گا، مگر یہ دنیا دار الاسباب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ ہر کس و ناکس نہیں ہو سکے گا، اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث ''انما العلم بالتعلم'' کہ قابل اعتبار علم وہی ہوگا جو انبیاء اور ان کے وارثین کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہو۔ (فتح الباری)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث وہی ہو سکتا ہے جس کے اوصاف و کمالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کے مشابہ ہوں، دو چیزوں کے درمیان فرق اور اختلاف کبھی تو اس طرح ہوتا ہے کہ دونوں کی ذات اور آثار و احکام الگ الگ ہوتے ہیں، جیسے انسان گھوڑے اور گدھے کے درمیان، لکڑی پتھر کے درمیان اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ دونوں کی ذات اور آثار و احکام یکساں ہوتے ہیں، فرق صرف کامل اور ناقص کا ہوتا ہے، جیسے حرارت و برودت کے مراتب ہیں، اور روشنی و تاریکی کے درجات ہیں، انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے درمیان فرق اسی دوسری نوعیت کا ہے، ان کمالات کا اعلیٰ درجہ انبیاء علیہم السلام کے لیے مخصوص ہوتا ہے، مگر اصل کمال اور اس کی بنیاد ہر صحیح الاعتقاد اور قوی

الانقیاد مومن و مسلم کے دل میں موجود ہوتی ہے، اَدنیٰ درجہ کے مومنین کے کمالات اور انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے درمیان موازنہ کیا جائے تو کوئی مناسبت نہیں ہوتی اور اس کو اشتباہ والتباس نہیں ہوتا ہے، مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے کمالات کو انبیاء علیہم السلام کے کمالات سے امتیاز وفرق کرنا بے حد مشکل ہوتا ہے، اگرچہ نفس الامر میں امتیاز وفرق موجود ہوتا ہے، بعض کاملین کو ایک کمال میں مشابہت ہوتی ہے، کسی کو دو میں اور کسی کو تین میں اور بعض حضرات ایسے ہیں ہوتے کہ ان کو بہت سے کمالات میں مشابہت ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"لو كان بعدى نبى لكان عمر"

یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

"انت منى بمنزلة هارون من موسىٰ الا انه لا نبى بعدى"

اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"انه يشبه خُلقى خلقى"

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں:

من احب ان ينظر الى عيسىٰ بن مريم فى زهده فلينظر الى ابى ذر

یہ سب احادیث اسی مضمون کو موید ہیں۔

جن لوگوں سے علوم نبوت اور نور ہدایت کا فیضان جاری ہوا ہے ان کے بارے میں علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے اندر تین باتوں کا ہونا ضروری ہے:

ا)......وہ اپنے علم پر عمل پیرا ہوں۔

۲)......ماہرین علم سے تعلیم وتربیت پائے ہوئے ہوں اور ان کے صحبت یافتہ ہوں۔

۳)......ان کے طور طریق کی اتباع اور اقتداء میں سرگرم ہوں۔

فیضان علمی اور نور ہدایت کی اشاعت کی تاریخ گواہ ہے کہ آج تک جن لوگوں کی نور ہدایت کی اشاعت کی شہرت حاصل ہوئی، وہ سب کے سب ان اوصاف سے مزین تھے اور جن سے گمراہی کی اشاعت ہوئی وہ ان اوصاف سے خالی و عاری تھے۔ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

"للعالم المتحقق بالعلم لمارات وعلامات، وهى ثلاث:

احداها:...... العمل بما علم حتى يكون قوله مطابقاً لفعله۔

والثانية:...... ان يكون ممن رباه الشيوخ فى ذلك العلم، لأخذه عنهم و ملازمته لهم، فهو الحدير بان يتصف بما اتصفوا به من ذلك، وهكذا كان شان السلف الصالح، فاول ذلك ملازمة الصحابة رضى الله عنهم لرسول الله صلى الله عليه وسلم وأخذ هم باقواله وأفعاله واعتماد هم على مايردمنه كائناً ما كان،

وعلىٰ أى وجه صدر؟ وانما ذلك بكثرة الملازمة وشدة المثابرة، وصار مثل ذلك أصلا لمن بعدهم، فالتزم التابعون في الصحابة سيرتهم مع النبى صلى الله عليه وسلم حتى فقهوا، ونالوا ذروة الكمال فى العلوم الشرعية، وحسبك من صحة هذه القاعدة انك لاتجد عالما اشتهر فى الناس الأخذعنه الا وله قدوة اشتهر فى قرنه بمثل ذلك، وقلما وُجدت فرقة زائغة، ولا احد مخالف للسنة، الا وهو مفارق لهذا الوصف۔

والثالثة:...... الاقتداء بمن أخذ عنه، والتادب، كما علمت من اقتداء الصحابة بالنبى ﷺ، واقتداء التابعين بالصحابة رضى اللّٰه عنهم، وهكذا فى كل قرن، وبهذا الوصف الممتاز مالك عن أضرابه، أعنى: بشدة الاتصاف به، والا فالجميع ممن يهتدى به فى الدين كذالك كانوا، ولكن مالكاً اشتهر بالمبالغة فى هذا المعنىٰ، فلما ترك هذا الوصف رفعت البدع رء وسها، انتهى(ملخصاً) (الموافقات ج: ١-مقلمه نمبر ١٢)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی بے پناہ مقبولیت اور وسیع سطح پر ان کے علمی واصلاحی فیضان کا راز مذکورہ بالا صفات میں ان کا کمال ہے، چنانچہ اپنے والد رحمہ اللہ کی بے مثال تربیت کے نتیجہ میں بچپن ہی سے علم پر عمل پیرائی ان کی طبیعت بن چکی تھی، اس چیز کو ان کی آپ بیتی کا قاری بیّن طور پر محسوس کرے گا، جہاں تک صحبتِ شیخ اور ان کی متابعت میں سرگرمی کا تعلق ہے تو خصوصیت کے ساتھ آپ نے حدیث اپنے والد اور حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارن پوری رحمہما اللہ سے پڑھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے والد یہ دیکھ رہے تھے کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلم کے لیے جس بلند معیار کی متابعتِ شیخ درکار ہے، ان ہی کے سامنے پڑھنے کی صورت میں پائی جاسکے گی، دیگر اساتذہ کے ساتھ ممکن ہے اس درجہ کی متابعت شاید محقق نہ ہوسکے مبادا قبولیت علم میں رکاوٹ پیدا ہو، اس لیے حدیث شریف کا کوئی سبق کسی دوسرے سے پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ (دیکھیے آپ بیتی ۱/۱۰۷)

والد کے ساتھ تو شب وروز گزرتے ہی تھے، حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ یگانگت ومتابعت کا یہ حال تھا کہ اپنے آپ کو استاذ وشیخ کی منشاء پر قربان کردیا، خصوصی تلمذ وخدمت کے علاوہ ''بذل المجہود'' کے پورے دور تالیف (۱۳۳۵ھ تا ۱۳۴۵ھ) میں آپ کے دست راست بن کر رہے، مراجع سے مراجعت، پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے املاء کو قلم بند کرنے پر اپنے آپ کو وقف کررکھا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چشم وابرو کے ایک ایک اشارے کو سمجھنے اور اس کی تعمیل میں حد درجہ محنت اور خلوص کا نتیجہ تھا کہ بذل المجہود کی تکمیل کے بعد حجازِ مقدس کی واپسی صفر ۱۳۴۶ھ پر حضرت سہارن پوری رحمہ اللہ نے انہیں مدرسہ مظاہر العلوم کا شیخ الحدیث نامزد کیا، جب کہ ابھی آپ اپنی عمر کے تیسویں سال میں تھے۔

اگرچہ تدریس حدیث کا آغاز اس سے پہلے ہوچکا تھا لیکن باضابطہ منصب مشیخت حدیث پر ۱۳۴۶ھ میں فائز ہوئے اور ۱۳۸۸ھ تک بیالیس سال مسلسل اس منصب جلیلہ پر فائز رہ کر ہزاروں تشنگان علوم نبوت کو سیراب کرتے رہے اور مشتر کہ ہندوستان میں علی الاطلاق ''شیخ الحدیث'' کے لقب سے جانے گئے اور اب بھی اسی لقب سے جانے جاتے ہیں۔

درس وتدریس میں سب سے پہلے خود مدرس کی ذات اور اس کے کمالات واوصاف دیکھے جاتے ہیں، اس کے بعد

خصوصیات درس کا درجہ ہے جس کی بناء پر مذکورہ بالا بات کا تذکرہ ضروری تھا۔

خصوصیاتِ درس:

خصوصیات کی تفصیل اگر کی جائے تو ایک دفتر چاہیے مختصر طور پر کچھ باتیں عرض کی جاتی ہیں، جو یقیناً بعد والوں کے لیے نشان راہ ثابت ہوں گی:

(۱)......ابتدائی برسوں میں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا درس انتہائی مفصل ہوتا رہا لیکن جوں جوں طلبہ کی استعداد اور قویٰ میں انحطاط آتا گیا آپ کی درسی تقریر مختصر ہوتی رہی، جیسا کہ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے بچپن میں بار بار ایک فقرہ سنا اور اپنے دور میں اس کا خوب مشاہدہ کیا، وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ معلوم نہیں کہ ایک رمضان میں کیا تغیر ہوجاتا ہے کہ دو سال کے دورہ والوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوجاتا ہے، اپنے پچاس سالہ تدریس حدیث کے دور میں مشاہدہ بھی کرلیا، حدیث پڑھانے کے ابتدائی دور میں بعض طلبہ ایسے اچھے اشکالات کیا کرتے تھے کہ جی خوش ہوجاتا تھا لیکن انتہا میں بعض دفعہ درمیان میں تقریر کو اس لیے چھوڑنا پڑتا تھا کہ مخاطبین میں سے کوئی اس کو سمجھ نہیں رہا تھا۔'' (آپ بیتی نمبر۲)

(۲)......آپ کا درس عشق نبوی اور حبِ رسول کا نمونہ ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کے ذکر پر انتہائی سوز و گداز سے کلام فرماتے جس کا اثر پورے مجمع پر ہوتا تھا اور حاضرین پر گریہ طاری ہوجاتا تھا، خصوصاً مرض الوفات کی حدیث جس وقت پڑھتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آج ہی سانحۂ ارتحال پیش آیا ہے۔

(۳)......آپ کے درس میں جملہ سلف، ائمہ مجتہدین اور محدثین کرام کے ساتھ انتہائی ادب و عظمت کا معاملہ رہتا تھا، جس محدث یا فقیہ پر رد کرنا ہوتا اس کا اسم گرامی انتہائی عظمت کے ساتھ لیتے، مثلاً حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے رجال اور ان کے مذہب کے موافق دلیلوں سے اس طرح آنکھ بچا کر نکل جاتے ہیں جیسے انہیں خبر ہی نہ ہو، حالانکہ اسی راوی یا روایت کو اپنی کتاب میں دوسری کسی ایسی جگہ بطور استدلال ذکر فرماتے ہیں جہاں حنفیہ کو کوئی خاص فائدہ نہ پہنچتا ہو۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ سب کچھ دلیل کے ساتھ فرمانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ اس سب کے باوجود ہم حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں پر حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جتنا احسان ہے اور کسی کا نہیں۔

۴)......ائمہ کے مذاہب کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصاً احناف کے مسلک کے دلائل کو تفصیل سے بیان فرماتے، اگر حدیث حنفیہ کے مسلک کے بظاہر خلاف نظر آتی تو اس کی ایسی توجیہات نقل فرماتے کہ مسلکِ حنفیہ حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

۵)......اکثر اہم مسائل میں بطور خلاصہ نشان دہی فرمادیتے کہ اس میں پانچ یا سات یا دس ابحاث ہیں، پھر ہر ایک کی قدرے تفصیل فرماتے، ان میں جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے چھیڑا ہوتا اس کی مزید تشریح فرماتے۔

۶)......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ محدث ہونے کے باوجود بلند پایہ فقیہ و مجتہد بھی تھے، ان کی مجتہدانہ شان جامع صحیح کے تراجم ابواب میں پنہاں ہے۔ تراجم ابواب کا مقصد، ابواب کے درمیان باہمی مناسبت اور باب کے تحت لائی جانے والی حدیثوں سے ان کی مطابقت ہر دور میں مشکل سمجھی گئی، شیخ کی کثرت ممارست اور خداداد ذکاوت کی بنا پر ان تراجم کے دقائق و معارف کی معرفت میں مہارت تامہ حاصل تھی، بلکہ مجموعی طور پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ اصول متعین فرمائے ہیں جن کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے، یہ اصول "الأبواب و التراجم" میں مذکور ہیں، ان اصولوں کی روشنی میں شیخ جب ابواب و احادیث میں مناسبت بیان فرماتے تو بات بآسانی سمجھ میں آجاتی۔

بعض تراجم پر تمام شراح خاموش ہیں مگر حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ دقتِ نظر سے خالی نہیں، مثلاً امام موصوف کا ترجمہ "باب الصلوٰۃ الی الحربة" پر سارے شراح خاموش ہیں مگر شیخ کی دو ررس نگاہ نے یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علہ کی شایانِ شان ایک لطیف توجیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے، وہ یہ کہ چونکہ زمانہ جاہلیت میں ہتھیاروں کی پرستش ہوتی تھی، اس لیے اس ترجمہ سے امام موصوف اس وہم کو دور فرما رہے ہیں کہ نیزہ کو سترہ بنانے مین حرج نہیں ہے۔

۷)......حدیث پاک کے بعض الفاظ اور بعض جملے ایسے ہیں کہ ان کا مطلب لب و لہجہ اور صورتِ واقعہ کی مثالی صورت بنائے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا، اس لیے بھی اس فن کو کسی ماہر فن استاذ سے پڑھنا ضروری ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ اور جملوں کو اسی طرح پڑھ کر سناتے اور جہاں مثالی صورت بنانے کی ضرورت ہوتی وہاں عملی صورت بنا کر دکھاتے، مثلاً بخاری ۶۹/۱ پر "ووضع يده اليمنى على اليسرىٰ وشبك بين أصابعه، ووضع خده الأيمن على ظهر كفه اليسرى'' بغیر صورت مثالی بنائے ہوئے محض الفاظ سے مطلب ذہن میں نہیں آسکتا، اس کو خصوصیت سے عمل کر کے طلبہ کو دکھاتے۔

۸)...... "فاستوصوابهم خيرا" کے بموجب مہمانانِ رسول کی خیر خواہی اور نفع رسانی ہر وقت پیش نظر رہتی، آپ ایک جوہر شناس شخصیت کے مالک تھے، بعض ذہین اور محنتی طلبہ جن میں شیخ محسوس کرتے کہ یہ آگے چل کر کچھ کر سکتے ہیں ان کو درس کے علاوہ خصوصیت سے اپنے قریب بلاتے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، تربیت اور علمی رہنمائی میں کوئی کسر نہ چھوڑتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے شاگردوں میں سے کئی ایک نے قابل رشک نمایاں کارنامے انجام دیے۔

۹)......تعلیم کے علاوہ طلبہ کی تربیت پر آپ کی خصوصی توجہ تھی، چنانچہ ان کے علم کو نافع بنانے کی غرض سے شیخ نے دس اصول بنائے تھے جن کو سال کے شروع میں بطور خاص تلقین فرماتے اور پورا سال ان پر اس شدت سے عمل کراتے کہ بوقت ضرورت پٹائی سے بھی دریغ نہ فرماتے، وہ دس امور یہ ہیں:

۱)......غیر حاضری ان کے نزدیک ناقابل معافی جرم تھا۔

۲)......صف بندی کا اہتمام بہت ضروری تھا،اس میں بے ترتیبی انتہائی ناگوار تھی۔

۳)......ہر طالب علم کو شرعی وضع وقطع اختیار کرنا ضروری تھا،خصوصاً داڑھی کٹانے یا منڈانے والے کا تو گذر ہی نہیں تھا۔

۴)......دورانِ درس حدیث اگر ایسے الفاظ آتے جن کے معنی میں فحش پن یا گھناؤنا پن ہوتا تو شیخ اشارہ کنایہ کی بجائے ان کا ترجمہ ٹھیٹھ اردو بلکہ علاقائی زبان میں کھل کر فرماتے، جیسے "امصص بضر اللات" جیسے الفاظ اور جملے،اس پر اگر کسی نے ذرا بھی مسکرا دیا تو اس کی خیریت نہ ہوتی،بقول حضرت شیخ:"میں اس کی جان کو آجاتا۔"

۵)......کتاب کا حد درجہ ادب واحترام ضروری تھا،چنانچہ اس پر کہنی وغیرہ رکھ دینا قطعاً برداشت نہ تھا۔

۶)......دورانِ درس طالب علم کا اونگھنا یا ہاتھ پر منہ رکھ کر سونا تو اس سے بڑی گستاخی تھی۔

۷)......طالب علم کی نشست مؤدب ہونی ضروری تھی،چنانچہ چوکڑی مار کر یا ٹیک لگا کر بیٹھنا سخت جرم تھا۔

۸)......طالب علم کا لباس اس قسم کا ہونا ضروری تھا جو صلحاء وعلماء کے شایانِ شان ہے اور لباس وحلیہ میں کسی بھی طرح سے غیروں کی نقالی نہیں ہونی چاہیے۔

۹)......ہر طالب علم کو سخت ہدایت تھی کہ جملہ ائمہ حدیث اور ائمہ فقہ کے ساتھ نہایت ادب واحترام کا معاملہ ضروری ہے،تکرار اور آپس کی گفتگو میں ہرگز کوئی ایسا جملہ منہ سے نہ نکلے جس سے ان میں سے کسی کی کسرِ شان ہو۔

۱۰)......اس بات کی تاکید کہ کبھی کسی طالب علم کو کوئی اشکال ہو تو شیخ کے معاصر مدرسین کی بتائی ہوئی بات ان کے نام کی صراحت کے ساتھ ہرگز نہ پیش کرے،مبادا دونوں میں سے کسی کی کسرِ شان ہو۔

(آپ بیتی نمبر ۶،ص ۷۴۹ تا ۷۵۳)

☆☆☆

تاریخ نویسی ہو یا آپ بیتی،بنیادی چیز مقصد کی تلاش ہے۔اگر مقصدیت کا فقدان ہو تو تاریخ نویسی اور آپ بیتی محض واقعات کا ڈھیر ہیں۔حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی آپ بیتی کی شان یہ ہے کہ مقصدیت اور روحانیت باہم شیر وشکر ہیں۔پھر چوں کہ آپ بیتی کا مؤلف حقیقت نواز بھی ہے اور دیانت دار بھی،باغ نبوت کی نکہتوں سے معطر بھی ہے اور چشمہ قرآن سے فیض یاب بھی،صاحب دل بھی ہے اور صاحب عشق بھی،عشق کی طاقت ہی دراصل وہ طاقت ہے جو تحریر میں تاثیر پیدا کر کے لکھنے والے کو جاوداں بنا دیتی ہے،یہی وجہ ہے کہ سعید روحیں "آپ بیتی" کے مطالعہ سے اپنے دل کی دنیا آباد کرتی اور عبرت وموعظت کے موتی چنتی ہیں۔